جناب مولوی غلام احمد صاحب فاضل لیکچرار دینیات تعلیم الاسلام کالج لاہور

قرآن کریم کی بلحاظ نزول پہلی اور آخری آیات

قرآن کریم خدا تعالیٰ کے اس کلام کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ نے قانونِ شریعت کے طور پر بصورت الفاظ کیا تھا۔ اس کلام کی ابتداء ۱۷ ماہ رمضان المبارک (۶۱۰ء میلادی) کے دن غارِ حرا میں بتوسط جبرئیل علیہ السلام ہوئی اور پہلا کلام یہ تھا۔ اقرأ باسم ربك الذى خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقرأ و ربك الاكرم الذى علم بالقلم۔ علم الانسان مالم يعلم۔ (علق ع ۱)

یعنی اے محمدؐ! تو اپنے رب کے نام سے (اس کا پیغام) پڑھ اور دوسروں کو پہنچا۔ اور پھر (اس پیغام کو) جمع بھی کر (کہ آئندہ بار بار پڑھا جائے) جس رب نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا (ہم پھر کہتے ہیں کہ) پڑھ اور پہنچا اور جمع کر (اور آگاہ رہ کہ) تیرا رب (یعنی تجھے اس حالت سے کمال کی حالت تک پہنچانے والا) بہت معزز و محسن ہے۔ وہ جس نے (انسان کو) قلم سے کام لینا سکھانا چاہا اور انسان کو وہ کچھ سکھانے کا ارادہ کیا ہے جو قبل ازیں وہ نہ جانتا تھا۔"

اس کلام کی آخری جزء ۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰ ہجری جمعہ کے روز عرفات کے جبلِ رحمت پر الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً نازل ہوئی تھی۔ فرمایا کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین (قانون) کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے ہمیشہ تک اسلام کا دین پسند کیا۔

گویا وہ کلام خداوندی جو قانونِ شریعت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا رہا اس کی مدت ۲۲ سال ۲ ماہ اور ۲۲ دن ہے۔ اس آخری قانونی کلام کے نزول کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۹۲ دن زندہ رہے ہیں۔

کلام الٰہی کے نزول کے تین طریقے

یہ کلام خداوندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ہوا؟ اس امر کو خدا تعالیٰ خود قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

وما كان لبشر ان يكلمه الله الا
وحياً او من وراءِ حجاب او يرسل
رسولاً فيوحى باذنه ما يشاء۔
(سورہ شوریٰ ع ۵)

یعنی کسی بشر کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کلام کرے بجز اس صورت کے کہ وہ کلام وحی ہو یا وراء حجاب ہو یعنی پس پردہ ہو۔ یا وہ کوئی پیغام رساں فرشتہ بھیجتا ہے وہ وحی کرتا ہے اس خدا کے حکم سے جو خدا تو چاہتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کلام کرنے کے تین طریقے بتائے ہیں۔ اور اگر بشراً کی تنوین کو تعظیم شان کی قرار دیا جائے تو پھر عظیم الشان ہستیوں

یعنی انبیاء کرام سے خاص کلام کی یہ نوعیت ماننی پڑے گی اور ان تینوں نوعیتوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی بناء پر ہر نوعیت کا درجہ اعلیٰ ماننا ہوگا۔

کلام کرنے کا پہلا طریق

طریق کلام کی پہلی قسم کا نام وحی رکھا گیا ہے اور یہ اسلئے ہوتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں یا اکیلے ہونے کی حالت میں خدا تعالیٰ اپنے نبی سے ایسے انداز سے کلام کرے کہ جس کلام کو صرف نبی ہی اپنے قلب مطہر سے معلوم کر سکے دوسرا معلوم نہ کر سکے۔ یعنی فضاء میں ایسی لہر پیدا ہو جس لہر کو الفاظ کی صورت میں صرف وہ مقرب بندہ ہی سن سکے اور دوسرے لوگ جو پاس موجود ہوں وہ نہ سن سکیں۔ یہ کلام جلدی جلدی نازل ہوتا ہے لیکن باوجود جلدی جلدی نازل ہونے کے پھر بھی دل میں گڑ جاتا ہے اور نبی کو بھولتا نہیں اور اس کلام سے نبی کے اندر انشراح پیدا ہوتا ہے اور اسے ایک خاص طاقت و ثبات عطا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور کلام کی یہ ساری کیفیت لفظ وحی کے اندر لغوی طور پر پائی جاتی ہے۔

احادیث اور تاریخ سے ایسا کلام کئی مختلف لوگوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ کو صرف اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ پر وحی کے جلال کی وجہ سے کچھ ربودگی چھا گئی اور اس کلام کے اثر سے حضور کے جسم مبارک پر ایک بوجھ محسوس ہوا اور آپؐ کے چہرہ مبارک پر سردی کے دنوں میں بھی شدید پسینہ آیا اور تھوڑی دیر کے بعد جب حضورؐ سے وہ حالت جاتی رہی تو حضور علیہ السلام نے وہ الفاظ صحابہ کرامؓ کو سُنا دیئے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے قلب مبارک پر اس وقت نازل کئے گئے تھے۔

دوسرا طریق کلام

خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کرنے کا دوسرا طریق آیت کریمہ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیاً والی میں جو بیان فرمایا ہے وہ "اَو من وراء حجاب" کے الفاظ ہیں۔ یعنی کہ خدا تعالیٰ اپنے بندے سے پس پردہ کلام کرتا ہے۔ اس "وراء حجاب" کی اصل حقیقت تو خدا تعالیٰ کو ہی معلوم ہے مگر کسی حد تک احادیث سے روشنی پڑتی ہے یا بزرگوں کے حالات سے کچھ معلوم ہوتا ہے مثلاً معراجؐ کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک نوری چادر تھی اور اس چادر کی دوسری سمت سے حضورؐ کو خدا تعالیٰ کے الفاظ سُنائی دے رہے تھے یا (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے فلما قضیٰ موسی الاجل وسار باھلہٖ اٰنس من جانب الطور ناراً قال لاھلہ امکثوا انی اٰنست ناراً لعلی اٰتیکم منھا بخبرٍ او جذوۃٍ من النار لعلکم تصطلون فلما اتٰھا نودی من شاطیٔ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یاموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین۔ (سورہ قصص) کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ مدین سے آرہے تھے تو راستہ میں انہیں آگ نظر آئی جس کی وجہ سے وہ آگ کی طرف آئے اور پھر وہاں ایک درخت میں سے آواز آئی جو خدا تعالیٰ کی آواز تھی۔ انی انا اللہ رب العالمین کہ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

(۲) دوسرے معنے اَو من وراءِ حجاب

وراء حجاب کے دوسرے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ رمز سے بات کی جائے یعنی اس کلام میں کئی قسم کے استعارے یا تشبیہات ہوتی ہیں جو اس کلام کے لئے بطور حجاب کے ہوتے ہیں۔ جب تک انسان ان حجابوں کو نہ اٹھائے اس پر اس کلام کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی۔ جیسے بڑے بڑے فصحا اور ادیب لوگوں کے کلام میں استعارے اور تشبیہات ہوتی ہیں جو کلام کو اعلیٰ

اور فصیح اور خوبصورت بناتی ہیں ایسے ہی ہمارے کلام میں بھی لطیف استعارے اور تشبیہات ہوتی ہیں۔

وراءِ حجاب کی تیسری صورت تیسری صورت وراءِ حجاب کی یہ بھی بخاری میں مذکور ہے کہ بعض اوقات گھر میں بیوی کے پاس بیٹھے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس جبرئیلؑ آئے۔ آپ پر کوئی غنود یا بے خودگی نہ طاری ہوتی مگر جبرئیلؑ سے باتیں ہوتیں۔ جبرئیل نے حضرت عائشہؓ کو بواسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم کہا اور انہوں نے جواب دیا اور پھر کہا تریٰ مالا اریٰ یعنی آپ وہ کچھ بھی دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھتے (بخاری جلد ۲) گویا حضرت عائشہؓ کی آنکھوں کے لحاظ سے حجاب تھا مگر آنحضرتؐ کی آنکھوں کے لحاظ سے حجاب نہ تھا۔

کلام کا تیسرا طریق خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں کلام کرنے کی تیسری نوعیت جو بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی وجود کو نبی کی طرف بھیجتا ہے اور وہ وجود جسے قرآن کریم میں کبھی "رُوْحَنَا" اور کبھی "رُوْحٌ مِّنْهُ" کہا گیا ہے، کبھی "رُوْحُ الْاَمِیْن" کہا گیا ہے، کبھی "جبرئیل" کہا گیا ہے اور کبھی "ملک" کہا گیا ہے خدا کے بندے کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فرمودہ الفاظ ایک پُرجلال اور پُرمعانی کلام کی صورت میں اس بندے پر نازل کرتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی وحی کے وقت ہوا۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ ہوا کہ فرشتے نے آکر انہیں بشارت دی کہ تیرے ہاں ایسی ایسی شان کا بیٹا ہوگا۔ یا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کلام کیا گیا (حضرت اسحاق کی بشارت کے وقت اور ساتھ ہی حضرت لوطؑ کی قوم کی تباہی کے متعلق) یا جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف دو فرشتے انسانی شکل میں بھیجے گئے تھے۔

فرشتہ کے نزول میں بھی احادیث کی رُو سے یہ بات مدنظر رہنی چاہیئے کہ اکثر اوقات کسی جانی پہچانی صورت میں وہ فرشتہ متمثل ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دحیہ بن خلیفہ کلبی صحابی کی شکل میں عموماً جبرئیلؑ ظاہر ہوا کرتے تھے کوئی صحابی یا حضورؐ کی ازواج میں سے کوئی جو شریک مجلس ہوتے دحیہ کلبی ہی سمجھ رہے ہوتے تھے۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے تھے کہ یہ جبرئیلؑ تھے۔ اور کبھی جبرئیل غیر معروف اور ان جانی شکل وصورت میں متمثل ہوتے ہیں جس شکل کو شریک مجلس نہیں پہچان سکتے تھے۔ ہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان لیتے تھے کہ یہ جبرئیل ہیں۔ جیسے حضرت عمرؓ کا واقعہ حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک شخص آیا جسے ہم میں سے کوئی نہ جانتا تھا اس پر سفر کا بھی کوئی نشان نہ تھا۔ نہایت صاف شفاف سفید اس کے کپڑے تھے۔ نہایت سیاہ بال تھے۔ وہ آیا اور آنحضرتؐ سے کچھ دیر باتیں کیں پھر وہ اُٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرئیل تھے۔ تمہیں دین کی باتیں بتانے آئے تھے کہ تم لوگ سن لو اور سمجھ لو۔ یا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتے اجنبی انسانوں کی شکلوں میں نظر آئے اور حضرت ابراہیم نے انسان سمجھ کر ان کے آگے کھانا بھی رکھا مگر بعد میں حقیقت کھلی کہ وہ فرشتے ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دینے آئے تھے اور پھر وہی حضرت لوط علیہ السلام کی طرف آئے انہوں نے بھی اُن کو انسان ہی سمجھا مگر وہ بعد میں فرشتے ثابت ہوئے۔ یا پھر جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے فرشتہ انسانی شکل میں متمثل ہوا تھا۔

حاصل کلام خلاصہ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ نے اپنے بندے سے کلام کرنے کی خود تین صورتیں بتادی ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کے نزول کی بھی یہی تین صورتیں ہیں۔ (۱) کہ فضا میں شدت و سرعت سے آواز پیدا ہوتی رہی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سنتے رہے (۲) اس کلام میں بلحاظ فصاحت و بلاغت استعارات و تشبیہ کا التزام ہے۔ (۳) اور کہ رُوح اللہ آتے اور انہوں نے خدا تعالیٰ کے

فرمودہ کلمات آپ پر نازل کئے۔ ان تینوں صورتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے جمیع الفاظ کلام کے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مطہر پر نازل ہوئے ہیں (وحی بغیر واسطہ۔ ۔۔۔ ات و تشبیہ لئے ہوئے نوری پردہ کے پیچھے سے یا حضرت جبریل کے ذریعہ) ان الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو آنحضرت کا اپنا بنایا ہوا ہو۔ بلکہ سبھی الفاظ مع اپنے تلفظ اور اعراب کے خدا تعالیٰ کے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر خود محفوظ کرائے۔ خود یاد کر کے اپنے سینے میں محفوظ کئے۔ پھر صحابہ کرام کو آنحضرت نے ہی اپنی زبان مبارک سے یاد پڑھائے ہیں اور سنائے ہیں۔ جن کو صحابہ کرام یاد رکھتے ہے اور بعض بعض لکھتے بھی رہے

کیفیت نزول قرآن مجید

کلام الٰہی کے نزول کی کیفیت جو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں عمومی رنگ میں بتا دی ہے۔ اس کے ظاہر کرنے کے بعد میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس وحی (قرآنی) کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ احیاناً یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علیّ فیفصم عنی وقد وعیت عنه واحیانا یتمثل لی الملك رجلاً فیکلمنی فاعی ما یقول۔ (بخاری) کہ قرآنی وحی دو ہی طرح آتی رہی۔ (۱) فضا میں لہر پیدا ہوتی ہے جس کی آواز مسلسل گھنٹی بجنے کی طرح شروع ہوتی ہے۔ پھر کلمات کی صورت میں وہ آواز آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوتی ہے جیسے آپ کا قلب و ذہن وحی کے ساتھ ہی معنوں سے قبول کر چکا ہوتا ہے دوسری صورت یہی کہ فرشتہ آکر کلام نازل کرتا ہے تو مجھے وہ کلام بھی فوراً یاد ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد تعداد وحی کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ احادیث اور تاریخوں سے ثابت ہے کہ شروع میں وحی تھوڑی تھوڑی کر کے نازل ہوتی تھی۔ پھر نزول کی رفتار بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں پے در پے اور کثرت سے وحی نازل ہوتی چنانچہ (۱) بخاری باب فضائل القرآن میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ان اللہ تعالیٰ تابع علیٰ رسوله صلی اللہ علیه وسلم الوحی قبل وفاته اکثر ما کان الوحی یعنی خدا تعالیٰ نے کثرت کے ساتھ آپ پر وحی بہ نسبت پہلی عمر کی وحی کے وفات سے قبل کی ہے۔ جس کی شرح میں (۲) فتح الباری جلد ۹ صلا مصری میں لکھا ہے:۔

"وفی روایة ابی ذر ان اللہ تابع علیٰ رسوله الوحی قبل وفاته ای اکثر انزاله قرب وفاته صلی اللہ علیه وسلم"

یعنی ابوذرؓ صحابی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی وفات سے پہلے زیادہ مقدار میں نازل ہوتی تھی۔

ایسے ہی ایک دوسری کتاب میں حضرت انسؓ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ حضرت امام زہری نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کیا وحی قبل از وفات منقطع ہو گئی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: اکثر ما کان واجمّه (فتح الباری مذکور) کہ وفات کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بہت زیادہ ہوتی تھی یعنی وحی قرآنی بھی اور وحی خفی بھی۔

آخری عمر میں کثرت سے وحی نازل ہونے میں حکمت

عمر کے آخری حصہ میں وحی کے زیادہ نازل ہونے کی کئی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اسلام جو مسائل دنیا میں پیش کر رہا تھا وہ بالکل نئے تھے۔ ابتداء میں ان کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل تھا اسلئے قرآن کریم ابتداء میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وقرآناً فرقناه لتقرأه علی الناس علیٰ مکث ونزلناه تنزیلا (بنی اسرائیل رکوع آخر)

جب لوگوں کے ذہن میں اسلام کے اصول رچ گئے اور قرآنی مضامین کا سمجھنا ان کے لئے آسان ہوگیا تو پھر قرآن کریم کا نزول بھی تیز ہوگیا اور وحی جلدی جلدی آنے لگی۔ اور یہ اسلئے کیا گیا تا سب کے سب مسلمان قرآن کریم کے مضامین کے پوری طرح واقف ہوجائیں۔ دوسری وجہ اس کی یہ تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا اس وقت آپ کے ماننے والے تھوڑے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ قرآن کریم محفوظ رہے اور اس کے متعلق کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو اسلئے شروع میں قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا۔ اسی آہستگی کے ساتھ کہ بعض دفعہ چند آیات نازل ہونے کے بعد کئی مہینے گزر جاتے تھے اور پھر کہیں جاکر چند اور آیات نازل ہوتی تھیں۔ اس طرح ان تھوڑے سے آدمیوں کو پورے طور پر قرآن کریم یاد کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔ چند سالوں میں مسلمانوں کی جماعت بڑھنی شروع ہوگئی اور قرآن کریم کی حفاظت زیادہ آسان ہوگئی۔ تب قرآن کریم کا نزول بھی پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے ہونے لگا۔ آخری ایام عمر میں تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر نکل چکی تھی۔

جمع قرآن

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآنی وحی نازل ہوتی تھی آپ خود اس کو حفظ کر لیتے تھے اور ہمیشہ اس کو دہراتے رہتے تھے (مثلاً خود اپنی خلوت کی نمازوں میں دہرانے کے علاوہ صحابہؓ کے ساتھ نمازوں میں دہراتے) لوگوں کو وہ وحی پڑھاتے بھی تھے۔ ماننے والوں کو سنا دیتے اور یاد کراتے تھے۔ حتیٰ کہ مخالفوں کو تبلیغ کے وقت بھی بعض حصے سنا دیتے تھے کہ میرے رب کا یہ کلام ہے اس پر غور کرو۔ بعض اوقات دوسرے لوگ آپ سے خود دریافت کرتے کہ جس کلام کے بطور وحی نازل ہونے کے آپ مدعی ہیں وہ سنائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ قرآنی وحی سنا دیتے۔ اس طرح آپ ساری وحی کے خود کامل حافظ تھے۔

حفاظت قرآن کے ذرائع

علاوہ آپ کے خود حافظ ہونے کے حفاظت قرآن کریم کے ذرائع یہ بھی تھے کہ (۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ اسی وقت لکھوا دی جاتی تھی۔ چنانچہ جن کاتبوں کو قرآن کریم لکھواتے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل ۱۵ نام تاریخ سے بھی ثابت ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح۔ زبیرؓ بن عوام۔ خالدؓ بن سعید۔ ابانؓ بن سعید۔ حنظلہؓ بن ربیع الاسدی۔ معیقیبؓ بن ابی فاطمہ۔ عبداللہؓ بن ارقم زہری۔ شرجیلؓ بن حسنہ۔ عبداللہؓ بن رواحہ۔ مدینہ منورہ میں زیدؓ بن ثابت۔ ابیؓ بن کعب بھی کاتبان وحی تھے (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹) بعض حدیثوں سے اور لوگوں کا قرآن لکھنا بھی ثابت ہے۔ جیسے امیر معاویہؓ اور عبداللہؓ بن عمرو بن عاص۔

دوسرا طریق حفاظت

دوسرا طریق حفاظت قرآن کا یہ ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ پانچ وقت نماز ادا کرے۔ پانچ وقت کی نمازوں میں یہ فرض ہے کہ قرآن کریم کا کچھ حصہ پڑھا جاوے اسلئے ہر مسلمان کو قرآن شریف کے کچھ نہ کچھ حصے یاد کرنے پڑتے ہیں تاکہ وہ نماز پوری طرح پڑھ سکیں۔

تیسرا طریق حفاظت

تیسرا طریق قرآن کریم کی حفاظت کا یہ تھا کہ اسلام کا سارا قانون قرآن میں ہے اس کی نقل بھی قرآن میں ہے۔ اس کا علم الاخلاق بھی قرآن میں ہے۔ اس کا علم العقائد بھی قرآن میں ہے۔ اس کا فلسفہ تعلیم بھی قرآن میں ہے۔ قوم کی ترقی اور قوم بنانے کے لئے ان سب چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے امور کے لئے آدمی طیار کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں ہی قاضی بھی مقرر تھے۔ علم احکام

کے بیان کرنے والے بھی مقرر تھے۔ مسائلِ اعتقادیہ بیان کرنے والے لوگ بھی موجود تھے۔ مفتیانِ شریعت بھی موجود تھے۔ اور یہ سب لوگ یہ کام نہیں کر سکتے تھے جب تک ان کو قرآن حفظ نہ ہو۔

چوتھا طریقِ حفاظت

چوتھا طریقِ حفاظتِ قرآن کا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حفظِ قرآن کی فضیلت پر بڑا زور دیتے تھے حتیٰ کہ قرآن زیادہ یاد کرنے والے کو ہر کام میں زیادہ مقدم بھی کرتے تھے۔ اور اس کا ثواب بھی اُخروی زندگی میں زیادہ ملنے کا اظہار فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام نے قرآن مجید کو یاد کرنا شروع کیا حتیٰ کہ ایسے ایسے لوگ بھی قرآن کریم کو یاد کرتے تھے جن کی زبانیں صاف نہ تھیں اور جن کے علم بہت کمزور تھے (یعنی دوسرے ممالک کے تھے یا چھوٹی عمر کے ہوتے تھے یا کم غور و فکر والے ہوتے) ان قرآن یاد کرنے والوں کے نام بھی تاریخ سے ملتے ہیں۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں اور وہ سب خوشی اور فخر سے اس امر کا اظہار کرتے تھے کہ ہم نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اتنا قرآن سُنا اور یاد کیا تھا۔

یہ تعداد حفاظ قرآن کریم کی اتنی بڑھ گئی کہ بئر معونہ کے واقعہ میں ۷۰ صحابہؓ جو تبلیغ کے لئے بھیجے گئے اور شہید ہوگئے تھے وہ سب قرّاء یعنی حفاظ قرآن ہی تھے۔ پھر جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر شریک ہونے والوں میں سے تین ہزار حافظِ قرآن تھے۔ جس کا واقعہ تاریخوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی قوم وسیع علاقہ میں تھی اور بڑی جنگجو تھی اسلئے بعض نئے نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کی کمزوری کی وجہ سے متواتر بعض چھوٹی چھوٹی مٹھ بھیڑوں میں مسلمان لشکر کو شکست پر شکست ہونے لگی تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے جو لوگ قرآن کے حافظ تھے انہوں نے خالدؓ بن ولید سپہ سالار کو خود کہا کہ آپ اس سارے لشکر سے مسیلمہ کا مقابلہ نہ کریں صرف ہم لوگ جو قرآن شریف کے جاننے والے ہیں ایک الگ لشکر کی صورت میں ترتیب دیکر اس کے مقابلہ کے لئے آگے کریں کیونکہ ہم اسلام کی قیمت جانتے ہیں اور اس کے بچانے کے لئے اپنی جانیں دینے کی قدر بھی ہمیں معلوم ہے۔

اُن کی اس بات کو خالدؓ بن ولید نے مان لیا اور قرآن شریف کے حفاظ صحابہؓ کو الگ کر دیا سو وہ تین ہزار نکلے۔ ان تین ہزار آدمیوں نے اس شدت سے مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کیا کہ اس کو پیچھے ہٹ کر ایک محدود مقام میں محصور ہونا پڑا اور آخر اس کا لشکر تباہ ہوگیا۔

اس لڑائی میں بعض روایتوں کی بنا پر ۷۰۰ صحابہ حفاظ قرآن کے شہید ہوجانے کا ذکر ہے (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰) اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ وقت سے عرض کیا کہ۔ انّ القتل قد استحرّ یوم الیمامۃ بقُرّاء القرآن وانّی اخشیٰ ان استحرّ القتل بالقُرّاء بالمواطن فیذھب کثیرٌ من القرآن وانّی اریٰ ان تامر بجمع القرآن (بخاری)

یعنی یوم یمامہ حفاظ القرآن زیادہ تعداد میں شہید ہوگئے ہیں۔ اگر اسی طرح حفاظِ قرآن دوسری لڑائیوں میں شہید ہونے لگے تو پھر قرآن کریم کا بہت سا حصہ جو ان کو یاد ہے آئندہ کے لئے محفوظ رکھنا مشکل ہو جائے۔ ابھی تو ہزاروں سے زیادہ صحابی موجود ہیں اسے ایک جگہ کتابی صورت میں جمع کرنے کا حکم دیدیں۔ چنانچہ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غور و فکر کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کو مختلف لکھی ہوئی جگہوں سے (چمڑوں، ہڈیوں، اوراق، کھجور کی شاخوں اور باریک چوڑے چوڑے پتھروں) اور یاد کرنے والے صحابہ سے لیکر ایک جگہ لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھ دوسرے جلیل القدر حافظِ قرآن ابی بن کعبؓ کو لیا اور ان دونوں

کاتبانِ وحافظانِ وحی نے قرآن کریم کو اسی ترتیب پر ایک جگہ جمع کیا جس ترتیب سے ان کو بھی یاد تھا اور جس ترتیب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور ان کے سوا ہزاروں کو یاد کرایا تھا

قرآن کریم کی ترتیب

قرآن کریم کی ترتیب کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزولی اور ہے اور موجودہ ترتیب اور۔ ترتیب نزولی لحاظ حالات و واقعات کے تھی اور موجودہ ترتیب آئندہ آنے والی نسلوں کے حالات کے مطابق۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ شروع میں مسلمانوں کے پیش آمدہ حالات اور مسائل ضروریہ یعنی توحید، ضرورتِ نبوت، وحی اور معاد وغیرہ پر مشتمل حصہ قرآن وقتاً فوقتاً نازل کیا جاتا رہا لیکن آئندہ زمانہ میں چونکہ قرآن مجید نے ایک مکمل کتاب کی صورت میں پیش ہونا تھا تو پھر اس ترتیب کو بہتر سمجھا گیا۔

اس کی معمولی مثال یہ سمجھی جا سکتی ہے کہ کسی دعوت کے موقع پر کھانا دینے والوں کو بلحاظ کھانا تیار کرنیکے اور ترتیب مدنظر ہوتی ہے لیکن جب کھانے کا وقت آتا ہے تو اس ترتیب سے نہیں کھلایا جاتا جس ترتیب سے کہ وہ تیار ہوا تھا بلکہ کھانے کے وقت مہمانوں کی اشتہار و ضرورت وصحت وغیرہ امور کی بنا دپر اس کھانے کے کھلانے میں دوسری ترتیب مدنظر ہوتی ہے بسا اوقات بالکل پہلے تیار ہونے والی چیز بہت بعد میں کھلائی جاتی ہے۔ اور بعد میں تیار ہونے والی چیز سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔

حفاظتِ قرآن مجید

قرآن شریف کی حفاظت کے بارے میں اور اس کے جمع کرنے کے بارے میں خود قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ہم خود اس کے جمع کرنے اور اس کی ترتیب کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ

(۱) ایک آیت میں فرمایا۔ انّا نحن نزّلنا الذکر وانّا له لحٰفظون۔ (سورۃ الحجر ع) یعنی ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کا سامان کریں گے۔

(۲) دوسری آیت میں فرمایا۔ وانّهٗ لکتٰبٌ عزیزٌ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیلٌ من حکیمٍ حمید (حم سجدہ ع) یعنی یہ کتاب ہے جو تمام کتبِ الہامیہ پر غالب آجائے گی۔ اس کے قریب بھی باطل نہیں آسکے گا۔ نہ اس وقت اور نہ بعد میں کبھی۔ یہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

(۳) پھر ایک تیسری آیت میں فرمایا۔ انّ علینا جمعهٗ وقرآنهٗ (القیامۃ ع) یعنی ہم پر ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے جمع کرنے اور اس کے آئندہ زمانوں میں باربار پڑھے جانے کا انتظام کریں۔

(۴) پھر ایک اور آیت میں فرمایا کہ۔ ولقد وصّلنا لهم القول لعلّهم یتذکّرون۔ (قصص ع) یعنی ہم نے قرآن کریم کو ان کے لئے ترتیب دیا ہے تاکہ وہ غور و فکر کر کے نصیحت و شرف حاصل کر سکیں۔

(۵) پھر پانچویں ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لهٗ معقّبٰتٌ من بین یدیه ومن خلفه یحفظونه من امر اللّٰه (رعد ع) یعنی اس قرآن کے محافظ ہماری جانب سے مقرر ہیں۔ اس زمانہ میں بھی اور آئندہ زمانہ میں بھی جو ہمارے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔

(۶) پھر فرمایا۔ ولقد یسّرنا القرآن للذکر فهل من مدّکر (قمر ع) یعنی ہم نے قرآن کریم کو بلحاظ عبارت، الفاظ، ترتیب ایسا بنا دیا ہے کہ اس کا یاد کرنا نہایت آسان ہے۔

علاوہ ان خاص خاص آیتوں کے قرآن کریم کے اندر قرآن کریم کو "کتاب" کے لفظ سے بار بار یاد کیا گیا جس میں گویا یہ پیشگوئی تھی کہ کتاب ہو کر دنیا میں شائع ہوگا اور "قرآن" لفظ میں یہ پیشگوئی تھی کہ یہ کلام بار بار پڑھا جاوے گا۔ اور یہ جمع بھی کیا جاوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حدیث میں آتا ہے کہ (۱) جب کوئی آیت نازل ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاتبانِ وحی کو بلاتے اور فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں آیت اور فلاں سورت میں لکھو۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینزل بعد الآیات فیقول ضعوھا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا۔ (فتح الباری)

(۲) پھر آپ کے ساتھ ہر سال رمضان المبارک میں جبرئیل قرآن کریم کا دَور کرتے تھے اور آخری سال میں دَور دو دفعہ سالم قرآن کا ہوا (بخاری) یہی ضروری ہے کہ اس دَور میں کوئی ترتیب ہو۔ گویا وہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ تھی۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی صحابہ کرامؓ کو قرآن سناتے، نمازوں میں قرآن پڑھتے وہ اسی ترتیب سے پڑھتے جس ترتیب سے اب جمع کیا گیا ہے اور اسی ترتیب سے آئندہ نسلوں کو ملا۔ چنانچہ ہمارے دشمن عیسائی مذہب کے متعصب مستشرق بھی اقرار کرتے ہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کو دیا اور کہ اس میں قطعاً کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب میں قرآن پر نوٹ لکھتا ہوا اقرار کرتا ہے کہ :-

(۱) "What we have, though pssibly Created and modified by himself, is still his own."

یعنی گو یہ ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن خود ہی بنایا تھا۔ مگر جو قرآن ہمارے پاس آج موجود ہے وہ وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اس وقت تھا۔

(۲) "We may upon the strongest presumption affirm that every verse in Quran is genuine and unaltered composition of Muhammad himself."

یعنی ہم نہایت مضبوط قیاسات کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے وہ اصلی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر محرّف ہے۔

(۳) "There is otherwise every security internal and external that we possess text, which Muhammad himself put forth and used."

یعنی علاوہ ازیں ہمارے پاس ہر قسم کی ضمانت موجود ہے۔ بلحاظ اندرونی و بیرونی شہادات سے کہ جو کتاب ہمارے پاس موجود ہے وہ وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کی یا خود استعمال کی۔

(لائف آف محمدؐ کا دیباچہ) (باقی آئندہ)

(۴) "Slight Clerical errors there may have been but the Quran of Ousman Contains none but genecine elements though sometimis in a very Strange order. Efforts of European Scholars to prove the euistence of later inlsipolaitions in the Quran have failed."

یعنی ممکن ہے کہ تحریر کی کوئی معمولی غلطیاں رہ (بلحاظ کتابت) ہوں تو ہوں لیکن جو قرآن عثمان نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا وہ وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیش کیا تھا۔ گو اس کی ترتیب بہت ہی عجیب ہے۔ یورپین علماء کی یہ کوشش کہ وہ قرآن میں بعد کے زمانہ کی کوئی تبدیلی ثابت کریں بالکل ناکام ثابت ہوئی ہے۔" (انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا زیر لفظ قرآن)

پس قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کی یہ کتنی بڑی دلیل و شہادت بلکہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ قرآن کریم اَن پڑھ لوگوں میں ابتداً آتا ہے اور پھر ہر طرح سے محفوظ رہتا ہے مگر تورات و انجیل خود عالم اور پڑھے لکھے معتقدین کے ہاتھوں ہی غیر محفوظ ہو جاتی ہیں۔

آج بھی ایک عیسائی متعصب مصنف لکھتا ہے اور بڑی حسرت کا اظہار کرتا ہے کہ:۔

"To Compare their pure texts with the various readings of our scriptures to Compare things between which there is no anology."

یعنی اُن (مسلمانوں) کی تبدیلی سے پاک کتاب کا ہماری مختلف البیان کتابوں سے مقابلہ کرنا دو ایسی چیزوں کا مقابلہ کرنا ہوگا جن میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔"

علاوہ ازیں قرآن کریم کے اس وقت یکجا جمع و ترتیب دیئے جانے کے جملہ واقعات و حالات اور حضرت ابوبکرؓ کے احکام اور زید بن ثابتؓ کی کوششوں کو مجموعی نظر سے دیکھا جائے تو کسی صورت میں معمولی کمی بیشی اور غلطی کا بھی امکان نہیں رہتا۔ مثلاً:۔

(الف) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اس کام کو بہت اہم اور مشکل سمجھا

اور کافی غور و فکر کے بعد (اور ان دونوں کی نیکی و تقویٰ و علوِ شان کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں) کافی دُعا و استخارہ کے بعد اس کام کے لئے قدم اُٹھانا۔

(ب) حضرت زیدؓ کا اس کام کو عظیم الشان و اہم سمجھتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ فواللہ لو کلفونی نقل جبلٍ من الجبال ما کان اثقل علیّ مما امرنی بہ من جمع القرآن (بخاری) یعنی قسم بخدا اگر وہ ابوبکرؓ و عمرؓ مجھے ایک پہاڑ کو ایک جگہ سے ہٹانے کی مشقت میں ڈالتے تو وہ مجھے گراں و بوجھل معلوم نہ ہوتی بہ نسبت اس امر کے جو انہوں نے مجھے حکم دیا کہ تم قرآن کو (مختلف جگہوں سے) اکٹھا کرو۔

(ج) یہ صحابی وہ ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلئے لکھنا پڑھنا سیکھنے کا حکم دیا تھا کہ وہ لکھا کریں اور وہ مدینہ والی وحی بہ نسبت دوسروں کے زیادہ لکھا کرتے تھے اور حکماً لکھا کرتے تھے (وقت بوقت آنحضرت اُن کو بُلا کر لکھواتے تھے۔ بخاری جمع القرآن میں سے باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(د) حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو حکم دیا کہ فاتبع القرآن (بخاری) "القرآن" کی تحقیق و تفتیش کرو، پوری طرح جانچ پڑتال اور دیکھ بھال کرو۔ (یہاں دیکھ بھال اور جانچ پڑتال لکھے ہوئے قرآنی نسخوں کی ہے ورنہ یاد تو ہزارہا صحابہ کرامؓ کو تھا۔ اس کی دیکھ بھال جانچ پڑتال اور تحقیق و تفتیش کی ضرورت نہ تھی اور نہ یاد کے لحاظ سے جانچ پڑتال کی ضرورت تھی)۔

(ھ) حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ فتتبعت القرآن (بخاری) یعنی میں نے بھی اسی لکھے ہوئے قرآن کی خوب دیکھ بھال، تحقیق و تفتیش اور جانچ پڑتال کی (ان دونوں کے اقوال میں "القرآن" کا لفظ ہے جس سے دونوں جگہ لکھے ہوئے صحیفے ہی مراد ہوسکتے ہیں۔)

(د) وہ قرآن کن کن اشیاء پر لکھا ہوا موجود تھا انکی تفصیل بھی بخاری میں موجود ہے:۔

(۱) باب جمع القرآن میں تو من العُسُب و اللخاف آیا ہے یعنی کھجور کی چھلی ہوئی چوڑی ٹہنیوں سے اور باریک پتلے پتلے چوڑے پتھروں سے۔

(۲) دوسری جگہ سورۃ توبہ کی تفسیر میں آیا ہے من الرقاع و الاکتاف (بخاری) یعنی دوَرقوں، چمڑوں اور پتوں سے اور بڑے بڑے جانوروں کے شانہ کی چوڑی چوڑی ہڈیوں سے۔

(۳) "وصدور الرجال" (بخاری تفسیر سورۃ توبہ و جمع القرآن) یعنی لوگوں (حفاظِ قرآن) کے سینوں سے بھی۔

(۴) بخاری باب جمع القرآن کی شرح میں فتح الباری کے مصنف نے دو چیزوں کو زائد کیا ہے۔

(ز) اس تمام محنت و مشقت کے ساتھ حضرت زیدؓ نے یہ بات بھی فرمائی کہ ایک آیت سورۃ توبہ کے آخر کی مجھے لکھی ہوئی شرط کے مطابق بمشکل ہوئی جو دوسروں کے پاس لکھی ہوئی صورت میں نہ ملی البتہ خزیمۃ الانصاری کے پاس وہ لکھی ہوئی ملی جو یہ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ - الآیۃ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت زیدؓ اپنی یاد یا ساتھیوں کی یاد کے علاوہ کسی نہ کسی صحابی کے پاس لکھا ہوا ثبوت بھی طلب کرتے تھے تب لکھتے تھے۔

حاصل کلام۔ یہ کہ ترتیب و جمع کرنے کے لحاظ سے علاوہ پتھروں، چمڑے، اوراق، کھجور کی چوڑی شاخوں، پتوں، جانوروں کی چوڑی ہڈیوں، مٹی کے پکے ہوئے برتنوں، کجاوے کی چوڑی لکڑی (فتح الباری) پر لکھی ہوئی تحریرات و ترتیب کے حُفاظِ قرآن کی یادداشت و حافظہ کی چھان بین اور پڑتال کے

لہ تمام قرآن کریم کو حفظ کرنیوالوں میں سے چند مشہور صحابہ کرامؓ یہ ہیں:۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ (باقی حاشیہ ص ۱۶)

کے بعد وہ صحیفہ مرتب ہوا جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا، پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہا، پھر حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ (بخاری تفسیر سورۂ توبہ آخر و جمع القرآن) اور پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی کئی نقول کروا کر تمام ممالک میں اس کو شائع کیا (بخاری جمع القرآن) جو سات تھیں (فتح الباری)۔ گویا پہلے صحیفہ پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زیدؓ حضرت ابی بن کعبؓ کی خاص شہادتوں کے علاوہ اُن ہزارہا نفوس کی شہادتیں بھی ثبت تھیں جن سے ترتیب کے بارے میں اُن کے اپنے تحریری صحیفے بھی دیکھے گئے۔ اور پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی وفات کے بعد اُس پہلے صحیفہ کی نقول پر دوبارہ حضرت زیدؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، خالدؓ بن سعید و عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام کی خاص شہادتوں کے علاوہ خود حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ اور اُس وقت کے ہزاروں قدیم جان نثار صحابہؓ کی بھی شہادتیں ثبت ہوئیں جنہوں نے اُن صحیفوں کو قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی ترتیب کے مطابق ہی قرار دیکر اپنی اولاد اور اپنے ساتھ اسلام میں شامل ہونیوالوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ والحمد للہ اوّلاً و آخراً ✦

بقیہ حاشیہ ص۱

حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت سعدؓ حضرت سالمؓ بن معقل ابی حذیفہؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ابوموسیٰ الاشعریؓ۔ عمرو بن عاصؓ۔ حذیفہؓ بن الیمان۔ عبداللہؓ بن سائب۔ عبداللہؓ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ تمیم داریؓ۔ عقبہ بن عامرؓ۔ ابوہریرہؓ۔ انصار میں سے عبادہؓ بن صامت۔ معاذؓ۔ ابوحلیمہؓ۔ مجمع بن جاریہؓ۔ فضالہؓ بن عبید۔ زیدؓ بن ثابت۔ ابیؓ بن کعب۔ ابوالدرداءؓ۔ معاذؓ بن جبل۔ سلمہؓ بن مخلد۔ سعدؓ بن عبادۃ۔ (عورتوں میں سے عائشہؓ۔ حفصہؓ۔ اُم سلمہؓ۔ اُم ورقہؓ) ابوزید قیسؓ بن سکن۔ ابوایوب انصاریؓ۔ قیسؓ بن صعصعہؓ ✦

روزہ کے بیس ۲۰ فوائد

(مولوی عبدالباسط صاحب مولوی فاضل متعلم جامعۃ المبشرین)

(۱) تقویٰ جیسی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوتی ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنیکی توفیق ملتی ہے۔
(۳) امراضِ روحانی دُور ہوتی ہیں جیسے گرسنگی سے جسمانی امراض دُور ہوتے ہیں۔
(۴) مشقت برداشت کرنے کی عادت پڑتی ہے۔
(۵) عفت و پاکدامنی حاصل ہوتی ہے۔
(۶) اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔
(۷) تہجد ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔
(۸) نوافل پڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔
(۹) علومِ قرآنی کا انکشاف ہوتا ہے۔
(۱۰) ترکِ اکل و شرب سے ملائکہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔
(۱۱) عقلِ انسانی کو نفسِ امارہ پر تسلط و غلبہ تام ہوتا ہے۔
(۱۲) قوتِ ارادی بڑھتی ہے۔
(۱۳) تہجد و نوافل پر مداومت کی عادت پڑتی ہے۔
(۱۴) صبح سویرے اُٹھنے سے طبیعت میں بشاشت پیدا ہوتی ہے۔
(۱۵) کھانا کھانے کے اوقات میں باقاعدگی سے صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔
(۱۶) غرباء کی تکالیف کا احساس پیدا ہوکر اُن سے ہمدردی ہوتی ہے۔
(۱۷) ترکِ لغویات کی توفیق ملتی ہے۔
(۱۸) قبولیتِ دُعا کے نظاروں سے زندہ ایمان حاصل ہوتا ہے۔
(۱۹) تعمیلِ ارشادِ الٰہی سے سرور و انبساط پیدا ہوتا ہے۔
(۲۰) جنت میں نمایاں اور خاص مقام حاصل ہوتا ہے ✦